© rasailojaraid.com

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

قسط نمبر ۶

نظریہ وحدۃ الشہود

ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ اسلام میں دین طریقت کے نظریات دو راستوں سے داخل ہوئے تھے۔ پہلا رستہ تو عبداللہ بن سبا یہودی کی باطنی تحریک کا تھا جو کہ درویشی کے رنگ میں ہی سامنے آیا تھا۔ اور یہودیوں میں رہبانیت کے جو طریق و عقائد تھے وہ سب اس نے اپنے مسلمان مریدوں میں داخل کر دیئے۔ چنانچہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب "اسلامی تصوف" میں اسی ماخذ پر زیادہ زور صرف کرتے ہیں۔ لیکن اس بات سے بھی مجال انکار نہیں کہ اسلامی تصوف اس سے زیادہ متاثر ان تراجم سے ہوا جو ہارون الرشید اور مامون الرشید کے زمانہ میں یونانی، لاطینی اور سنسکرت کی کتابوں کے کیے گئے۔ جن میں گیان دھیان اور مادی فلسفہ سب کے اصول مندرج تھے۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا فرق

وحدۃ الشہود کی اسلام میں درآمد کی تاریخ پر بحث کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نظریات اور عقائد کا فرق واضح کر دیا جائے۔ مختصر الفاظ میں اس فرق کو یوں واضح کیا جاتا ہے کہ وحدت الوجود سے مراد "ہمہ اوست" ہے اور وحدت الشہود سے "ہمہ از اوست" اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وجودی صرف ایک وجود کے قائل ہیں کہ خدا ہی کائنات اور اس کی ہر چیز ہے اور کائنات اور اس کی ہر چیز ہی خدا ہے لیکن شہودی خدا کی ہستی کو ایک مستقل بالذات ہستی اور کائنات سے علیحدہ قرار دیتے ہیں اور کائنات کو خدا کا ظل قرار دیتے ہیں۔

اب اس سے اگلا مرحلہ یہ ہے کہ جس طرح سایہ مناسب وقت پر دھوپ یا نور میں گم ہو جاتا ہے اسی طرح انسان بھی روحانی ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا مناسب وقت پر اللہ کی ذات میں گم ہو جاتا ہے اور ایسے عیسائی راہبوں کے اقتباس ہم پہلے پیش کر چکے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اپنے آپ کو خدا کی ذات میں گم کر رہے تھے۔ اب دیکھئے کہ گو بظاہر شہود کا نظریہ وجودی نظریہ سے کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن نتائج کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ وحدت الوجود کا نظریہ خود اللہ تعالےٰ کو انسان کے جسم میں اتارتا ہے اور شہود کا نظریہ انسان کو بلند کر کے اللہ کی ذات میں داخل یا مدغم کرتا ہے۔ حالانکہ وہ انسان اسی دنیا میں موجود ہوتا ہے کہیں ساتوں آسمانوں سے ماوراء ہستی سے نہیں جاملتا۔ وجودی نظریہ حلول کے ذریعے انسان کو خدا بناتا ہے۔ لیکن شہودی نظریہ اپنے مخصوص نظریہ سے انسان کو خدا بناتا ہے گویا نتیجہ کے لحاظ سے دونوں انسان کو خدا بنانے کے اعتبار سے ایک ہی ہیں خدا تعالےٰ نے عیسائیوں کے اس عقیدہ کو صریح کفر قرار دیا اور فرمایا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (۵/۷۳)	بلاشبہ وہ لوگ ہی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔

عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ، خدا کی ذات میں یوں مدغم ہوتے ہیں کہ تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں اور تینوں مل کر بھی ایک ہی خدا بنتا ہے اور یہ عقائد کا ایسا گورکھ دھندا ہے۔ جسے سمجھانے سے خود عیسائی پادری بھی لاچار اور اس لاچاری کے معترف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وحدت الشہود خالصتاً دینِ طریقت کا جزو ہے اور بموجب آیت بالا صریح کفر ہے تو آخر کفر اور شریعت الٰہی کا اتحاد کیسے ممکن ہو؟

ہندو مت وحدت الشہود کے تصور کو آتما۔ مہاتما اور پرماتما کی اصطلاحوں سے پیش کرتا ہے۔ آتما بمعنی روح ہے اور مہاتما بزرگ روح جو بہت زیادہ روحانی مدارج طے کر چکی ہو جیسے مہاتما گاندھی اور مہاتما بدھ وغیرہ۔ پھر روحانی ترقی کا اگلا درجہ یہ ہے کہ مہاآتما مزید روحانی ترقی کر کے پرماتما (سب سے بڑی اور بزرگ روح یعنی خدا) سے مل جائے بس اسی صورت میں انسان کی نجات ممکن ہے ورنہ روح تا ابد "آواگون" (جس کی تفصیل آگے آئے گی) کے چکر میں لٹکتی رہتی ہے۔

اور مسلمان صوفیہ نے اپنے سلوک کی مندرجہ ذیل سات منازل مقرر کر رکھی ہیں:

(۱) طلب (۲) عشق (۳) معرفت (۴) استغناء (۵) توحید (۶) حیرت (۷) فقر و فنا یا فنائے اتم۔ (مرشد کامل ترجمہ حدائق الاخیار مصنفہ صادق فرغانیؒ ص ۱۲۷ تا ۱۳۳)

لے ابنِ اکبر کی طرح صادق فرغانی کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ [illegible] کتاب [illegible] ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا ساتویں منزل یا سیر الی اللہ کی آخری منزل پر جاکر انسان یا سالک فنا فی اللہ یا واصل باللہ یا واصل بحق ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ ساتویں منزل سلوک کی آخری منزل نہیں اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہو جاتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہی فلسفہ ہندو مت یا عیسائیت بھی پیش کرتا ہے۔

وحدۃ الشہود کی تاریخ

وحدت الوجود کی طرح گو یہ نظریہ بھی دوسری صدی ہجری کے اواخر میں اسلام میں درآمد ہو گیا تھا۔ تاہم منصور حلاج نے وجودی نظریہ کو جو استحکام بخشا، یہ نظریہ دبا رہا۔ اسلامی تاریخ میں پہلے شخص ہمیں ابو اسمٰعیل ہروی رم ۴۸۱ھ نظر آتے ہیں جنہوں نے یہ فلسفہ تحریری طور پر پیش کیا۔ پھر اس کے بعد علاؤ الدولہ سمنانی رم ۷۳۶ھ) نے اس نظریہ کو آگے بڑھایا۔ لیکن امام غزالی اور ابن اکبر جیسے فلاسفروں اور متصوفین کی تبلیغ کے مقابلے میں شہودی نظریہ ناقابل التفات ہی سمجھا جاتا رہا۔ تا آنکہ گیارھویں صدی ہجری مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اس نظریہ کی آبیاری کی اور اُسے پروان چڑھایا ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"پہلے میں بھی وحدت الوجود کو مانتا تھا لیکن جب میں نے آگے ترقی کی تو وحدت الوجود کی کیفیت مجھے بہت ادنی نظر آئی اور مجھے یہ یقین حاصل ہوا کہ مخلوق خالق کا ظل ہے لیکن جب میں نے ترقی کی تو مجھ پر اصل حقیقت کھلی اور مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا خدا ہے اور مخلوق مخلوق۔ دونوں الگ الگ وجود ہیں"۔ (حقیقت وحدت الوجود ص ۱۸)

اب ایک دوسرا اقتباس بھی ملاحظہ فرمایئے جو ذرا مفصل ہے شیخ مجددؒ اپنے باطنی ارتقاء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"میں پہلے وحدت الوجود کا معتقد تھا۔ کیونکہ بچپن ہی سے لیے بربنائے استدلال عقلی جانتا تھا اور اس کی صداقت کا کامل یقین رکھتا تھا۔ لیکن جب راہ سلوک اختیار کی تو پہلی مرتبہ وحدۃ الوجود ایک ادراک روحانی کی حیثیت سے متحقق ہوئی اور میں نے براہ العین اس کا مشاہدہ کر لیا۔ میں عرصہ تک اس مقام میں رہا اور تمام معارف جو اس مقام سے متعلق ہیں وہ مجھے حاصل ہو گئے۔" (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب نمبر ۳۱۔ بحوالہ حضرت مجدد کا نظریہ توحید ص ۷۰)

بعد ازاں ایک بالکل نیا روحانی ادراک میری روح پر غالب آگیا اور میں نے پایا

باقی حاشیہ گزشتہ صفحہ: مندرجات کشف میں رسولؐ اللہ پر پیش کئے اور انکی تصحیح کے بعد شامل کتاب کئے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ میں آئندہ وحدت الوجود کو نہیں مان سکتا تاہم مجھے اپنے کشف کے اظہار میں تامل تھا کیونکہ میں عرصہ دراز تک وحدت الوجود کا معتقد رہا تھا۔ آخر کار مجھے اس کا انکار بصراحت تمام لازم آپڑا اور مجھ پر منکشف ہوگیا۔ کہ وحدت الوجود ایک ادنی مقام ہے۔ اور میں ایک بالاتر مقام پر پہنچ گیا ہوں، یعنی ظلّیت پر۔ اگرچہ میں ابھی تک دراصل وحدت الوجود کے انکار پر راضی نہ تھا کیونکہ تمام بڑے بڑے متصوفین نے اسے مانا تھا۔ لیکن اب اس کا انکار ایک ناگزیر واقعہ ہوگیا تھا۔ بہرکیف میری آرزو تھی کہ میں ظلّیت پر ہی رہوں۔ کیونکہ ظلّیت کو وحدت الوجود سے ایک انسیت تھی۔ میں اس میں اپنے تئیں اور اس عالم کے تئیں خدا کا ظلّ محسوس کرتا تھا۔ لیکن فضلِ خداوندی دستگیر ہوا اور میں اعلیٰ ترین مقام یعنی مقام عبدیت پر فائز ہوگیا۔ تب میں نے پایا کہ عبدیت تمام دوسرے مقامات سے بالاتر ہے اور مجھے مقام وحدت الوجود یا ظلّیت میں رہنے کی آرزو پر ندامت ہوئی۔" (مکتوبات دفتر اوّل مکتوب نمبر ۱۶۰، بحوالہ حضرت مجدد کا نظریہ توحید صفحہ نمبر ۱۷)

پھر مجدد صاحب کشف کی حقیقت اور اس کے غیر یقینی ہونے کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

> کشف سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ شہود ہی شہود ہے اور حقیقت نہیں، بلکہ غایت فی الباب یہ ہے کہ خدا کا شہود ہو ہی نہیں سکتا۔ پس ایمان بالغیب کے سوا چارہ نہیں اور ایمان بالغیب اس وقت میسر آتا ہے جب وہم وخیال اپنی سعی سے عاجز آجائیں اور متخیلہ کچھ باقی نہ رہے یعنی یہ متحقق ہو جائے کہ وہ ذات ہماری دسترس سے بالاتر ہے۔ اور ہمارے حیطہ ادراک وعقل سے ماوراء ہے۔ (مکتوبات دفتر ۲، مکتوبات ۹ بحوالہ ایضاً صفحہ نمبر ۹۵)

مندرجہ بالا اقتباسات سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مجدد صاحب کے نزدیک سلوک کی تین منازل ہیں جو انھوں نے طے کیں (۱) وحدۃ الوجود جہاں سالک خدا، انسان اور کائنات سب کو ایک ہی ذات سمجھتا ہے۔ (۲) اس سے اگلا درجہ وحدۃ الشہود کا ہے۔ جہاں سالک خدا اور انسان میں ثنویت محسوس کرنے لگتا ہے۔ مگر صرف اس حد تک کہ خدا قائم بالذات ہے اور باقی چیزیں اس کا سایہ یا ظلّ ہیں۔ اور (۳) اس سے اگلا مقام یہ ہے کہ خدا اور کائنات میں ثنویت پوری طرح آشکار ہو جاتی ہے۔ سالک یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھنے لگتا ہے۔ خدا الگ ہے کائنات الگ صرف سایہ کے لحاظ سے بھی بلکہ مستقل وجود کے لحاظ سے بھی اور یہی مقام عبدیت ہے۔

۲۔ آپ کے زمانہ تک نظریہ وحدت الوجود کی متصوفین پر اس قدر گہری چھاپ تھی کہ کوئی اس کے خلاف کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اس کی وجہ دو تھیں ایک اپنے پرانے عقیدہ سے محبت، دوسرے اپنے بزرگوں کا احترام۔

۳۔ کشف بہر حال کشف ہی ہے، حقیقت نہیں، چار و ناچار ہمیں وحی الٰہی یا ایمان بالغیب کے سایۂ عاطفت میں ہی پناہ لینی پڑتی ہے۔

اب دیکھئے کہ مجدد صاحب نے اتنی محنت شاقہ کے بعد جو سربستہ راز تلاش کیا ہے کیا یہ خدا نے ہمیں بغیر کسی محنت اور دماغ سوزی کے بذریعہ انبیاء ابتدا سے ہی نہیں بتلا دیا تھا۔ قرآن میں جو یہ آیت ہے کہ:

لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار (۶/۱۰۴) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔

اس میں عین کی بجائے بصر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عین ظاہری آنکھ کے لئے آتا ہے اور بصر ظاہری اور باطنی یا قلبی ہر دو آنکھوں کے لئے آتا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نہ تم عقل و فلسفہ کی رُو سے خدا کی کنہ کو پا سکتے ہو اور نہ وجدان و مشاہدہ و کشف کے ذریعے۔

پھر یہ بھی بتلا دیا کہ لیس کمثلہ شیئ "کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔"

اس آیت میں انسان کے تخیل و واہمہ کو چیلنج کیا گیا ہے کہ وہ بھی خدا کا کوئی تصور پیش نہیں کر سکتا۔

سچ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

ما قدروا اللہ حق قدرہ (۶/۹۱) ان لوگوں نے (انبیاء کی ہدایت کو قابل اعتنا سمجھ کر) خدا کی قدر جیسے جاننی چاہیے تھی نہ جانی۔

پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ مجدد صاحب نے اتنی ریاضتوں اور محنتِ شاقہ کے بعد جس عبدیت کے مقام کا اظہار کیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس قدر محنت شاقہ اور تزکیۂ نفس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ تو مجھے اور مجھ جیسے گنہگاروں سب کو حاصل ہے حسبِ ارشاد باری تعالیٰ

قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دو کہ اے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ — میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔

یہ الگ بات ہے کہ مجھ گنہگار کا عبدیت کے لحاظ سے مقام الگ ہے، مجدد صاحب کا بہت اونچا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اونچا۔ مگر عبد ہونے میں تو مجالِ انکار نہیں ہو سکتا۔

وجود اور شہود کی ایک دوسرے انداز سے تحقیق

اب اسی طرح ایک اور صاحب ہیں خواجہ عبدالحکیم انصاری نقشبندی مجددی توحیدی، بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ اور مصنف کتاب حقیقت وحدۃ الوجود جن کے چند اقتباس کچھ ہم پیش کر چکے ہیں۔ گو یہ اتنی معروف شخصیت تو نہیں تاہم ان کا دعویٰ ہے کہ وہ بھی ذات بحت تک کا یا حریم کبریا تک مشاہدہ کر آئے ہیں۔ یہ بزرگ سلوک کی منازل، روح اور خدا کی ذات وصفات بیان کرنے میں منفرد نظر آتے ہیں۔ ان کے خیالات کے مطابق سالک کی روحانی پرواز کی پہلی منزل دوزخ ہے جو ہماری زمین سے متصل ہے اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں۔

وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا (۱۹/۷۱) — اور تم میں کوئی ایسا نہیں مگر اسے اس (جہنم) پر سے گزرنا ہوگا اور یہ تمہارے پروردگار پر لازم و مقرر ہے

لہٰذا کوئی بھی روح زندگی میں یا مرنے کے بعد، جب اوپر کو پرواز ہوگی تو یہاں سے گزرنا ہوگا اگر روح گنہگار ہوگی تو بس اس میں رہ جائے گی تاآنکہ جل کر اور لطیف ہو کر پرواز کے قابل نہ ہو جائے وہ اس دوزخ کو زمین ہی کی مثل قرار دیتے ہیں جس میں کہیں لق ودق صحرا ہیں کہیں ریگستان، کہیں کڑوے اور گرم چشمے اور کہیں آتش فشاں پہاڑ۔

پھر اس کے بعد اعراف ہے۔ پھر جنتوں کے طبقات شروع ہو جاتے ہیں جو بہ ترتیب اس طرح ہیں عالم ملکوت، دوسرا جبروت، تیسرا لاہوت، چوتھا ہاہوت اور پانچواں ہو۔ دوزخ کے طبقات سے عالم ہو کے آخر تک عالم مثال کہلاتا ہے اس کے بعد عالم امر ہے جس میں بے شمار لطائف ہیں۔ پہلے لطیفہ عدم ہے۔ پھر لطیفہ نفس، پھر لطیفہ عقل اور پھر لطیفہ روح۔ ان لطائف سے آگے حوالیٔ عرش کا علاقہ ہے۔ پھر عرشِ مجید ہے۔ جس کے عین مرکز میں سالک کو ذات بحت کا مشاہدہ اور عرفان ہوتا ہے۔ اسی جگہ سالک کا روحِ سفر ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ عارفِ کامل اور ولیٔ مکمل بن جاتا ہے (ص ۹۰)

خدا کے متعلق ان کا تصور یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"روح کا سفر اس مادی عالم یعنی کرۂ زمین سے شروع ہو کر عرش کبریا پر اس جگہ ختم ہوتا ہے۔
جہاں سالک کو اللہ تعالٰے کی ذات بحت کا عرفان ہوتا ہے۔ جس میں نہ کوئی رنگ ہے نہ بو ہے، نہ امتداد ہیں نہ کوئی صفت ہے اور جس کی بابت وہ خود قرآن میں ارشاد فرماتا ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ　　پاک ہے، وہ ذات تمام صفات سے۔
عَمَّا يَصِفُونَ (۱۸۰/۳۷)　　(ترجمہ از موصوف) "

ملاحظہ فرمایئے اپنے مسلک کی تائید میں آیت کے ترجمہ کا کیسا ستیاناس کیا گیا ہے۔ یہ آیت یا اس جیسی اور تین چار جگہ پر آیات ہیں۔ سب میں کافروں اور مشرکوں کی ایسی بات کا ردّ فرمایا گیا ہے۔ جو صفاتِ الٰہی کے یا ذاتِ الٰہی کے منکر تھے۔ لیکن یہاں اس کو خدا ہی کی ذات کے ردّ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مزید طرفہ یہ کہ اس مسلک کی تائید میں ایک اور "آیت" پیش کی گئی ہے۔ جو سرے سے قرآن میں موجود ہی نہیں اور وہ اَلْآنَ كَمَا كَانَ اور اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے "وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہے گا" (ص ۶۹) لا حول ولا قوۃ الا باللہ! اپنے مسلک کی تائید میں قرآن کے ساتھ اس قدر زیادتی!

اور روح کے متعلق ان کا نظریہ ہے کہ وہ ایک روحانی شعاع ہے۔ جس کا ایک سرا تو عالم امر میں ہے اور دوسرا انسان کے دماغ میں پیوست ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا　　گویا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کو اللہ نے اس
(۵۶/۱۱)　　کی چوٹی سے نہ پکڑ رکھا ہو۔

اب یہ روحانی سیر یا سلوک ایسی شعاع کی راہ پر ہوتا ہے گویا یہی صراط مستقیم ہے اور ہر شخص کا یہ صراط مستقیم الگ الگ ہے۔ اقتباس ص ۵۹)

اب وحدت الوجود اور شہود کے بارے میں ان کا نظریہ ہے کہ ابن عربیؒ عالم ہاہوت کے بعد جب عالم ہُو میں داخل ہوئے تو ان کو ایسی فرحت اور سکون ہوا کہ بس یہیں کے ہو کر رہ گئے اور سمجھے کہ یہ (ہُو) ذات احدیت ہے اور یہیں سے تمام شعاعیں نکل کر عالم مادی تک پہنچ کر متشکل ہوتی اور جامد شکل اختیار کر رہی ہیں تو انھوں نے دعوٰی کر دیا کہ وجود ایک ہے اور وہی خدا ہے اور بالکل یہی نظریہ مادہ پرستوں کا بھی ہے۔ لیکن مجدد الف ثانیؒ کچھ عرصہ یہاں رہ کر ہُو کے اوپر والے کنارے پر پہنچے تو وحدت الوجود کے منکر ہو گئے اور سمجھے کہ مخلوقات میں خدا کا ظلّ پڑ رہا ہے۔ (اقتباس ۱۰۶، ۱۰۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم حیران ہیں کہ صوفیہ کا ایک طبقہ کشف کو غیر یقینی قرار بھی دیتا چلا جاتا ہے۔ پھر بھی انہی عقائد و نظریات کو صحیح ثابت کرنے اور حرزِ جان بنائے رکھنے پر مُصر بھی ہے۔ یہ بزرگ بھی نظریہ وحدت الوجود کا بطلان یا تردید نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ابن عربی کو غلط فہمی ہوئی اور مجدد صاحب تو اس ہو کے مقام سے آگے نکل گئے تھے۔ اس غلط فہمی کا آپ نے ذکر نہیں فرمایا۔ جسے مجدد صاحب نے خود ایک کیفیت سے تعبیر کیا ہے حقیقت سے نہیں۔

شاہ ولی اللہ اور وجود و شہود

ایک اور بزرگ ہستی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں ہم مجدد الف ثانی کی طرح ان کی دینی خدمات کے بدل وجان معترف ہیں اور ان بزرگوں کے حق میں تہ دل سے دعا نکلتی ہے لیکن شاہ صاحب مذکور جہاں عالم محدث اور فقیہہ ہیں وہاں متصوف بھی ہیں۔ انھوں نے ایک رسالہ بنام "فیصلہ وحدت الوجود والشہود" لکھا جس میں محض ابن عربی اور مجدد صاحب کے نظریات کو تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ وحدت الوجود یا شہود کی تردید یا بطلان کی جرأت نہیں ہوئی۔ بلکہ حقیقتاً دیکھا جائے تو مجدد الف ثانی کے نظریہ توحید کی مقبولیت کے باوجود شاہ صاحب کا ذہن نظریہ وحدت الوجود کی حقانیت کی طرف مائل رہا۔ اور تطبیق یوں دی گئی کہ وحدت الوجود کے نظریہ میں وحدت الشہود کا نظریہ پہلے ہی شامل ہے اور نزاع صرف لفظی ہے حقیقت ایک ہی ہے۔ چنانچہ اسی رسالہ کے صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں:۔

فالمذھب الاول تسمی بوحدۃ الوجود	"تو پہلے مذہب کا نام وحدت الوجود ہے اور
والثانی بوحدۃ الشھود ووقع عندنا انّ	دوسرے کا وحدت الشہود ہے۔ اور ہمارے
المکشوفین صحیحان جمیعاً۔ لکن القول بانّ	نزدیک دونوں مکاشفے صحیح ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ
وحدۃ الشھود علی ھذا المعنی لم یقل بہ	شیخ عربی نے وحدت الشہود اس معنی سے
الشیخ العربی سھوٌ بل الشیخ واتباعہٗ بل	نہیں کہے، یہ سہو ہے۔ بلکہ شیخ اور اتباعِ شیخ
الحکماء ایضاً یقولون بھا۔	بلکہ حکماء نے بھی کہی ہے۔"

آپ کو یہ نظریات چونکہ ورثہ میں ملے تھے۔ لہذا ان کا انکار اور بطلان مشکل تھا۔ چنانچہ انفاس العارفین ص۹۶ پر فرماتے ہیں :۔

والدِ گرامی (شاہ عبد الرحیم صاحب) فرماتے تھے کہ اوقات عزیز میں سے ایک وقت فنائے کلی اور غیبت تام میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ میرے فلاں بندے کو ڈھونڈلاؤ، زمین میں تلاش کیا، آسمان چھان مارے نہ ملا، بہشت میں تلاش کیا نہ پایا۔ اس پر حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا کہ جو مجھ میں فنا ہوا۔ وہ نہ آسمان میں ملے گا نہ زمینوں میں اور نہ ہی بہشت میں۔

لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اس تطبیق کو شیخ مجدد کے متبعین نے قبول نہیں کیا چنانچہ خواجہ میر ناصر عندلیب نے اپنی کتاب نالۂ عندلیب ص۵۳۱ میں وحدت الوجود کی تغلیط کی پھر خواجہ میر درد نے اس وجودی نظریہ کو سراسر زندقہ قرار دیا۔ پھر مولوی غلام یحییٰ (م ۱۱۹۵ھ) نے مرزا مظہر جان جاناں کے ایماء پر شاہ ولی اللہ صاحب کی تردید پر قلم اٹھایا اور ۱۱۸۴ھ میں رسالہ دمع باطل شائع کیا۔ جس میں اپنے والد کی پُرزور حمایت کی۔ پھر سید احمد بریلوی نے صراطِ مستقیم لکھ کر وحدت الوجود کو حقانیت کے خلاف قرار دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جس طرح مجدد الف ثانیؒ نے بربنائے کشف وحدت الوجود کو صرف ایک کیفیت قرار دیا ہے اور اس کی تردید کی ہے۔ اسی طرح کوئی بزرگ بربنائے کشف ان کے نظریات کی توثیق یا تردید کرتے۔ مگر ایسا کسی نے بھی نہیں کیا۔ صرف عقلی اور استدلالی قسم کی بحث چل رہی ہے جو آج تک جاری ہے۔

دین طریقت کے عقائد پر تحقیقی نظر

پچھلے باب میں جن تین نظریات وعقائد (وحدت الوجود، وحدت الشہود اور حلول) کی وضاحت پیش کی ہے ان کو عرف عام میں اتحاد ثلاثہ یا اتحاد وحلول کے نظریات کہا جاتا ہے۔

اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے اسلام میں ایسے نظریات کی گنجائش ہے یا نہیں۔

وحدت الوجود کا نظریہ کائنات میں تمام اشیاء کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تمام موجودات خدا ہی کا حصہ ہیں۔ اور انہیں اس کی ذات سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم اس باطل نظریہ کی پرزور تردید کرتا ہے۔ قرآن نے کائنات کو دو الگ الگ دائروں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) عبد اور معبود:۔ اس لحاظ سے اس کائنات کا خالق، مالک اور معبود فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ باقی تمام مخلوق اس کی بندگی پر مامور ہے۔ تمام موجودات میں سے صرف انسان اور جن کو کسی حد تک اطاعت اور عصیان کا اختیار بھی دیا گیا ہے۔ اور اس سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ دوسری موجودات کی طرح اللہ کو خالق اور معبود سمجھے اور تکوینی امور کی طرح اختیاری امور میں بھی اپنے آپ کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دے۔ یہی اس کی روحانی ترقی ہے اور یہی مقامِ ولایت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲)۔ انسان اور دیگر موجودات :۔ قرآن ہمیں یہ بھی بتلاتا ہے کہ کائنات کی باقی تمام موجودات صرف انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی اور وہ اس کی خادم ہیں۔ اس کے ہمسر یا اس سے بالاتر نہیں کہ انسان ان کی پرستش شروع کر دے۔ انسان باقی تمام اشیاء کو حسبِ ضرورت و مرضی اپنے مصرف میں لا سکتا ہے، ان سے کام لے سکتا ہے۔ ان کو تلف بھی کر سکتا ہے، مار بھی سکتا ہے۔ اور نافع اشیاء سے فائدہ اٹھانے کا اُسے پورا پورا حق دیا گیا ہے۔ کیونکہ سب چیزیں اسی کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔

اب وحدت الشہود اور حلول کی طرف آئیے اگر انسان اور خدا کا جوہر ایک ہی تو اس کا امکان ہے اور اگر ان میں غیریت پائی جاتی ہو تو یہ باتیں ناممکن ہیں۔ اور اس مبحث میں مرکزی بحث روح سے متعلق ہے کہ آیا انسان اور خدا میں ایک ہی روح کارفرما ہے۔ جو ازلی اور ابدی ہے یا ان میں کچھ فرق ہے۔ قرآن کریم ان دونوں میں فرق کرتا ہے اور ان دونوں قسم کے جوہروں کو یکسر مختلف قرار دیتا ہے۔

روح کی حقیقت

حضورِ اکرمؐ سے روح کے متعلق استفسار کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسکا جواب ان الفاظ میں دیا:

یسئلونک عن الروح قل الروح من	آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ
امر ربی وما اوتیتم من العلم الا	کہہ دیجئے کہ وہ میرے پروردگار کے حکم سے ہے
قلیلاً (۱۷/۸۵)	اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

اس آیت میں " قل الروح من ربی" کے بجائے " من امر ربی" کہہ کر وحدت روح کے نظریہ کا ابطال کر دیا گیا ہے۔ " امر ربی " کی حقیقت کو علماء نے دو طرح سے بیان کیا ہے۔ پہلی مثال اس طرح ہے کہ فرض کیجئے کوئی کارخانہ بجلی کے ذریعہ چلتا ہے۔ اس کارخانہ کی بھاری بھرکم مشینیں موجود اور نصب ہونے کے باوجود صرف اس وقت حرکت کرتی ہیں۔ جب بجلی کی کرنٹ آتی ہے اور جب کرنٹ چلی جائے تو یہ از خود بند ہو جاتی ہیں۔ اب اس کرنٹ پر بھی کسی دوسری ہستی کا کنٹرول ہے۔ وہ ہستی اور کرنٹ ایک چیز نہیں۔ بعینہٖ یہی مثال خدا، روح اور ذا الارواح کی ہے۔

دوسری یہ کہ مثلاً ایک بادشاہ کسی شخص کو محض اپنے حکم سے خواہ وہ زبانی ہو یا تحریری۔ گورنر بنا دیتا ہے تو وہ شخص گورنری کا حکم ملتے ہی از خود ان اختیارات کا مالک ہو جاتا ہے اور جب بادشاہ کسی کو معزول کرنا چاہتا ہے تو اس کے ایک حکم سے سب اختیارات از خود چھن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانتے ہیں اور وہ اسی وقت پہلے جیسا ایک بے بس انسان رہ جاتا ہے گویا قوت تمام تر حکم میں ہے۔ پھر بادشاہ اور حکم الگ الگ چیزیں ہیں اور وہ لازم و ملزوم بھی نہیں۔ بعینہٖ یہی مثال خدا، روح اور انسان کی ہے۔ روح کی حیثیت محض ایک حکم کی ہے۔

ہندومت اور نظریۂ روح

ہندومت میں روح کو لازوال اور ازلی ابدی تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر وہ روح کی وحدت پر بھی زور دیتا ہے۔ آتما، مہاتما اور پرماتما کی تقسیم میں یہی نظریہ کارفرما ہے۔ جو محض درجات کے لحاظ سے ہے۔ اس نظریہ نے دو مسائل کو جنم دیا (۱) اہنسا کا اصول۔ یعنی انسان کو کسی جاندار شئے کو دکھ دینا یا مارنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ انسان کی روح اور اس جاندار کی روح ایک ہی وحدت کے حصے ہیں۔ لہٰذا ہندوؤں میں کسی جانور کو خواہ کتنا ہی موذی کیوں نہ ہو دکھ دینا بہت بڑا پاپ (گناہِ کبیرہ) سمجھا گیا ہے۔ نہ ہی کسی انسان کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ جانور کو ذبح کرکے اس کا گوشت کھائے اور کسی اور طرح سے اسے استعمال میں لائے۔

(۲) آواگون یا تناسخ کا اصول بھی اسی نظریہ وحدت روح کا مرہونِ منت ہے آواگون کا چکر یہ ہے کہ ایک انسان اگر اپنی تمام زندگی میں بُرے کام کرتا ہے تو مرنے کے بعد اس کی روح کسی کمتر مخلوق مثلاً کسی گدھے کے قالب میں منتقل ہو جائے گی۔ جو ابھی ابھی پیدا ہونے والا ہے۔ اور اگر بہت زیادہ پاپ کئے تو اس سے بھی کم تر مخلوق مثلاً کسی کتے یا چیونٹی میں منتقل ہو جائے گی۔ اور اس دوران اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گی۔ جب تک سزا بھگت نہ چکے کسی انسان کے قالب میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کسی انسان نے اپنی زندگی میں اچھے کام کیئے ہیں تو وہ کسی ایسے انسان کے قالب میں منتقل ہو گی جو نیک بخت ہو گا۔ اور یہ چکر یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ تاآں کہ آتما (روح) مہاتما نہ بن جائے اور مہاتما سے آگے روحانی مدارج طے کرکے پرماتما (خدا) میں مدغم نہ ہو جائے، تبھی جاکر اس کی سنجات ہوتی ہے۔

ہندومت کا نظریۂ روح وحدت الشہود اور حلول دونوں نظریوں کا جواز ثابت کرتا ہے۔ لیکن اسلام کا نظریہ روح ان دونوں طرح کے نظریات کی مخالفت کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہندومت جس طرح پرماتما کو ازلی ابدی تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح کائنات یعنی روح اور مادہ دونوں کو ازلی و ابدی تسلیم کرتا ہے۔

مسلمانوں میں کچھ ایسے "بزرگ" بھی پیدا ہوئے ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قرآن کے ایک ایک صفحہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تناسخ کو ثابت کر سکتے ہیں۔ آپ تصوف کی کوئی معتبر کتاب لے کر اس میں "مبدا اور معاد" کی بحث پڑھ لیجئے۔ اس کے اور ہندوؤں کے نظریات بالکل ملتے جلتے نظر آئیں گے۔

دین طریقت کے نظریات کا اسلامی تعلیمات پر اثر

مندرجہ بالا نظریات کی سب سے پہلی زد اسلام کے بنیادی عقیدہ توحید پر پڑتی ہے۔ ان نظریات نے عبد اور معبود کا قصہ ہی پاک کر ڈالا ہے لہٰذا جو لوگ ان کے قائل ہیں نہ وہ مسلمان رہ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے دلوں میں قرآن وحدیث کا احترام باقی رہ جاتا ہے اگرچہ یہ لوگ معبود کو معبود اور خود کو عبد کہتے ہیں تو یہ محض لوگوں کے ڈر سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ عفیف الدین تلمسانی کا مکالمہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

ان لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ ان دیکھے خدا کی پرستش ایمان کی پہلی منزل ہے (جس کو یہ لوگ اپنی زبان میں طلب کہتے ہیں) جس پر عاشقان ربانی کبھی قناعت نہیں کر سکتے۔ وہ اس کی مثال آب شور سے دیتے ہیں۔ جو پیاس کو بجھاتا نہیں بلکہ مزید بھڑکاتا ہے۔ اس کے مقابل اہل تصوف کی توحید (نظریہ وحدت الوجود) آب شیریں ہے۔ جو پیاس بھی بجھاتا ہے اور تسکین بھی بخشتا ہے۔

۲۔ نظریہ وحدت الوجود کا دوسرا اثر مظاہر پرستی کی شکل میں رونما ہوا۔ سورج، چاند، تاروں کی پرستش اور ان کے انسان پر اثرات، آگ، ہوا، پانی، سمندر، دریا، شجر و حجر حتیٰ کہ جانوروں، درندوں اور پرندوں کی پرستش صرف اس لئے شروع ہوئی کہ وہ ہر چیز کو خدا کا ہی حصہ سمجھتے ہیں جس نے جس چیز میں کوئی خوشگوار اثر دیکھا اس کی پوجا شروع کر دی۔ وحدت روح اور اس کے لازوال سمجھنے کے نظریہ نے بت پرستی اور قبر پرستی کی صورت اختیار کر لی اور اس طرح دنیا طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہو گئی۔ عالم حادث کے بجائے قدیم بن گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو معطل کر دیا گیا۔

۳۔ اس نظریہ کی سب سے بڑی زد صفات باری پر پڑتی ہے مثلاً:

(ا) انسان ظالم، جاہل، اور بدکردار بھی ہوتے ہیں۔ اگر یہ سب خدا کا عین ہیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا میں بھی معاذ اللہ یہ نقائص موجود ہیں۔

(ب) انسانوں پر اور اسی طرح کائنات کی دوسری اشیاء پر تغیر و تبدل کا عمل جاری رہتا ہے۔ انسان پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ اگر انسان خدا کا عین ہے تو کیا معاذ اللہ خدا جو حی اور قیوم ہے وہ بھی ان تغیرات کی زد میں ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ج) خدا تعالیٰ نے حضرت عیسٰیؑ اور مریمؑ کی خدائی کی تردید ان الفاظ سے کی تھی کہ "وہ دونوں کھانا کھاتے تھے"، اور جو کھانا کھائے اس کو بہت سے عوارض لاحق ہوتے ہیں۔ اب ساری بنی نوع انسان اور حیوان کھانا کھاتے ہیں اور اگر خدا کا عین بھی ہیں تو کیا معاذ اللہ خدا بھی انہیں عوارض سے دوچار ہے؟

۴۔ ان نظریات کو تسلیم کرنے والے خود بخود جبریہ عقائد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایک پانی کا قطرہ۔ جو اپنے جوہری اوصاف کے لحاظ سے سمندر کا ہم جنس ہے۔ جب لڑھکتا لڑھکتا، پہاڑیوں، نشیبوں، ندی نالوں سے ہوتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے۔ تو اس سارے عمل میں اس قطرہ کا کچھ بھی اختیار نہیں ہوتا۔ بعینہٖ یہ صورت حال انسان کی ہے۔ جس کی اصل منزلِ مقصود سمندر یا خدا تعالیٰ کی ذات میں ادغام ہے اور دنیا میں جو اعمال و افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں ان میں وہ مجبور محض ہے۔

۵۔ ان نظریات نے اسلامی اخلاق پر گہرا اثر ڈالا نہ تو خیر و شر کی تمیز باقی رہی اور نہ حلال و حرام کی۔ اسی طرح شرعی احکام کی پابندی کی ضرورت بھی ختم ہو گئی جیسا کہ عفیف الدین تلمسانی سے پوچھا گیا کہ اگر دنیا کی سب چیزیں خدا ہی کا حصہ ہیں تو تم جورو اور بیٹی میں تمیز کیوں روا رکھتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ تمیز تو تم محجوبوں (اہلِ شریعت) کی پیدا کردہ ہے۔ ہم تو اس میں تمیز روا نہیں رکھتے۔

۶۔ مندرجہ بالا تبدیلی اقدار کی وجہ سے جزا و سزا اور جنت و دوزخ بے معنی چیزیں بن کر رہ گئیں۔ بھلا وہ کون خدا ہو گا جو اپنے ہی ایک حصے کو جہنم کی آگ میں جھونک دے۔ ابنِ عربی کہا کرتا تھا کہ جہنم کی آگ ٹھنڈی ہو کر لطف و لذت کا سامان مہیا کرے گی۔ کبھی یہ لوگ اپنے مکاشفات میں جہنم کو پھونکوں سے بجھا دیتے ہیں تو کبھی جنت کو آگ لگا دیتے ہیں۔ ابنِ عربی کے اس نظریہ نے اس قدر زور پکڑا کہ ساری دنیا میں اس کے حامی اور علمبردار پیدا ہو گئے۔

مندرجہ بالا نتائج سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دینِ طریقت اور دین اسلام بالکل متضاد اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ جس طرح اسلام میں عفو و انفاق کی تاکید کی بنا پر سوشلزم کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح زہد اور دنیا سے بے رغبتی کی بنا پر یہ دین طریقت بھی قطعاً گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلام میں زہد کا تصور اس زہد سے یکسر مختلف ہے۔ جو ہمیں دینِ طریقت بتلاتا ہے۔

دینِ طریقت کے کچھ علمبرداروں کو جرأت ہوئی اور علانیہ اپنے کفر کا اعلان کر دیا۔ کچھ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریات کو دل ہی میں چھپائے رکھتے اور اپنے خاص رازداروں اور شاگردوں سے ایسے نکات بیان کرتے رہے۔ لیکن ان میں کا زیادہ طبقہ ایسے بزرگوں پر مشتمل رہا جو زبان سے یہی کہتے رہتے کہ خدا کے عاجز بندے اور رسول کے ادنی خادم ہیں اور تعلیمات اسلامیہ کی مخصوص تعبیر (جو باطنی علوم کا جزو لاینفک ہے) کا جو حق انہیں حاصل ہے وہ بھی خدا کا احسان اور نبی ہی کی برکت سے ہے لیکن ان کی عملی زندگی میں اس کی قطعاً شہادت نہیں ملتی۔ من مانی کارروائیوں کی دلیل ان کے نزدیک صرف یہ ہے کہ انہیں زندہ جاوید خدا ہر بات سے آگاہ کر دیتا ہے۔

(جاری ہے)

ترجمان کی ایجنسیاں

- ملک اینڈ سنز نیوز ایجنٹ بک سیلرز، ریلوے روڈ۔ سیالکوٹ۔
- قریشی بک ڈپو۔ شکر گڑھ۔ ضلع سیالکوٹ۔
- محمد سعید صاحب ایجنسی کھجور مارکہ صابن، بازار ناندلیا نوالہ ضلع فیصل آباد
- حاجی ملک محمد ابراہیم صاحب دکاندار مین بازار ٹیکسلا، تحصیل و ضلع راولپنڈی۔
- مولانا محمد عبداللہ صاحب، خطیب جامع اہلحدیث، صدر، راولپنڈی۔
- حکیم محمد یوسف صاحب زبیدی جامع مسجد اہلحدیث۔ شاہ فیصل شہید روڈ لعل چند باغ میرپور خاص (سندھ)
- منشا بکسٹال بالمقابل ریلوے سٹیشن گوجرانوالہ ٹاؤن۔
- خواجہ نیوز ایجنسی لودھراں، ضلع ملتان۔
- "مکتبہ وہابیہ" ہاشمی کالونی۔ گوجرانوالہ
- مرکز ادب حسین آگاہی، ملتان شہر۔
- محمد ابراہیم صاحب نیوز ایجنٹ، عباس سائیکل ورکس، بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا۔
- مولانا محمد اسماعیل صاحب خادم مسجد امین پور بازار، فیصل آباد
- میاں عبدالرحمان حماد صاحب خطیب جامع مسجد اہل حدیث، قبولہ ضلع ساہیوال۔
- محمود برادرز کریانہ مرچنٹس، چمن بازار، ہارون آباد، ضلع بہاولنگر۔

© rasailojaraid.com